ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے
اتوار ۱۸ جمادی الثانی ۱۴۴۶ھ
مطابق ۲۲ دسمبر ۲۰۲۴ء

بچوں کا اسلام

۱۱۶۶
پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

آدھی دعا

لبنان اور مصر

قیمت: ۴۰ روپے

aci Blood Bgone
Imtiaz پر دستیاب ہے
Blood Stain Remover
خون کے دھبے مٹانے کا واحد اسٹین ریموور
LADIES WEAR | CLOTHING | BEDSHEETS | CARPETS / SOFA

القرآن

اسلحہ سے غفلت، ہلاکت ہے

کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ تا کہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں، اگر تم بارش کے سبب تکلیف میں ہو یا بیمار ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اُتار رکھو مگر ہوشیار ضرور رہنا، اللہ نے کافروں کے لیے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(سورۃ النساء، آیت: 102)

الحدیث

اسلحہ کے غلط استعمال کا نتیجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی شخص بلا قصد وارادہ بھی اپنے مسلمان بھائی کو ہتھیار دکھا کر مت ڈرائے، کیا معلوم شیطان کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چل جائے اور یہ غفلت جہنم کے گھڑے میں گرنے کا سبب اور نتیجہ ثابت ہو''۔ (صحیح بخاری)

دستک

خوف اور بزدلی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

پچھلے دنوں ایک محترمہ نے بہادری کے نام پر انسپکٹر جمشید سیریز کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ اشتیاق احمد کے ناول خوف کی نفسیات کو ہوا دیتے ہیں۔ اُن کے کردار ہمہ وقت تھر تھر کانپتے ہیں، ہکلاتے اور گڑبڑاتے ہیں۔ کسی خاص دشمن سے سامنا ہو جائے تو انسپکٹر جمشید تک خوف محسوس کرنے لگتے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ اشتیاق احمد نے جان بوجھ کر ایسا اِس لیے کیا کہ زیادہ سے زیادہ خوف پھیلا کر قارئین کے لیے زیادہ سے زیادہ سنسنی پھیلائی جائے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ بہادر کردار خوفزدہ ہوتے تو دکھائی دیتے ہیں مگر جب بہادری کے محسوسات کو بیان کرنے کی باری آتی ہے تو یہاں اشتیاق احمد کا قلم جواب دے جاتا ہے۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کی بہادری والے احساسات کو بیان کرنے کے لیے ناول نگار کے پاس کوئی محاورہ نہیں بچتا۔

اسی طرح ابنِ صفی کا لڑکھڑاتا، شرماتا، گڑبڑاتا بے وقوفانہ حرکتیں کرتا عمران بھی عجیب ہی ہے۔ کاش ہمارے مصنفین قاری بچوں میں بہادری اور جرات کا عنصر جگا سکتے۔

ہمیشہ کی طرح لیکن اُن کی یہ بہت ہی بے تکی تنقید ہے۔

اِس اعتراض کا سیدھا سادا جواب تو یہ بنتا ہے کہ یہ کردار کوئی سپر مین اور ماورائی قوتوں کے مالک نہیں ہیں، یہ عام سے انسان ہیں، جو بشر ہونے کی وجہ سے گاہے خوفزدہ بھی ہوتے ہیں مگر اپنے مشن سے پیچھے نہیں ہٹتے۔

خوفزدہ ماحول کو اِس لیے بیان کرنا تا کہ سنسنی پیدا ہو، اس میں بھلا کیا حرج ہے؟ ظاہر ہے یہ ادبی ضرورت بھی ہے تا کہ قاری کی دلچسپی برقرار رہے، اور کرداروں کو قاری کے ساتھ جوڑنے (Connect) کی کامیاب کوشش بھی کہ یہ ہماری ہی طرح کے انسان ہیں، کوئی جن بھوت نہیں۔

بہادری کو بیان کرنے کے لیے کئی صفحے لکھنا ضروری نہیں، نہ یہ کردار کی زبان سے کہلایا جاتا ہے کہ میں بہت بہادر ہوں، مجھے ڈر نہیں لگتا وغیرہ۔ یہ بڑی بے ڈھنگی بات ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا دعویٰ ہے جو بری بات ہے۔

بہادری کو الفاظ سے زیادہ عمل سے دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے، اور دیکھ لیجیے، خوف کا ابتدائی اور عین فطری ردعمل دیکھ کر، پھر قاری عین موت کے منہ میں مرکزی کرداروں کی فقرے بازی، ہنسی مزاح اور شگفتگی عروج پر دیکھتا ہے تو وہ بین السطور صاف محسوس کر لیتا ہے کہ یہ کردار حقیقتاً بہادر ہیں، یہ بہادری کا دعویٰ تو نہیں کرتے لیکن موت سے بالکل نہیں گھبراتے۔

بھلا یہ کیسا ڈر ہے کہ عین موت کے منہ میں بیٹھے بچوں کو دیکھ کر باپ ڈر محسوس نہیں کر رہا اور مطمئن ہے!؟ اسی طرح ان کے بچے بھی۔

ویسے بھی مستقل قاری جانتے ہیں کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے کبھی خوف کا اظہار کریں بھی تو وہ اکثر ازراہِ تفنّن کرتے ہیں یا پھر اپنے مشن کی ناکامی کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں، لیکن اگر خوف کا اظہار کر بھی دیا جائے تو بھی کوئی بری بات نہیں نہ ہی یہ بزدلی ہے، یہ تو عین بشری چیز ہے۔

اصل بزدلی پست ہمتی دکھانا اور ثابت قدم نہ رہنا ہے، سو اشتیاق احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے کرداروں نے کسی موقع پر پست ہمتی نہیں دکھائی نہ پیچھے ہٹے، آٹھ سو سے زیادہ مشن میں وہ ثابت قدم رہے ہیں۔

اسی طرح ابن صفی کے مشہور و معروف کردار عمران کو جو لڑکھڑاتا، شرماتا، گڑبڑاتا، بے قوفانہ حرکتیں کرتا کہا گیا ہے، یہ بھی نہایت سطحی نظر کی دلیل ہے۔

عمران کا کردار صرف حماقتیں نہیں کرتا (جو در حقیقت اس کی انتہائی ذہین اور بہادر شخصیت کا ایک نقاب ہے) بلکہ ضرورت پڑنے پر نہایت سنجیدہ ہو جاتا ہے، انتہائی سرد لب ولہجہ اختیار کرتا ہے بلکہ اپنے دین و وطن کے لیے سفاکیت کی حد تک پہنچا ہوا شاید اردو جاسوسی ادب میں علی عمران کے سوا کوئی کردار نہیں۔

لیکن اگر ہوتا بھی تو عمران جیسا مزیدار کردار پھر بھی نہ ہوتا۔

کیونکہ عمران کو منفرد اس کے کردار کی یہی متضاد پرتیں ہی تو بناتی ہیں۔ یہ کردار کی مختلف پرتیں ہیں اور بہت ہی مزیدار پرتیں ہیں کہ ایک طرف بظاہر اس کے چہرے پر حماقت برس رہی ہے، الٹی سیدھی حرکتیں کر رہا ہے لیکن بباطن نہایت ذہانت سے کوئی چال سوچ رہا ہے!

یہ گڑبڑانا اور بے وقوفی کی حرکتیں عمران جان بوجھ کر حرکتیں کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انتہائی پریشان کن صورت حال میں بھی کتنا ٹھنڈا مزاج ہے!

(باقی اگلے ہفتے)

والسلام

محمد فیصل شہزاد

سلیم احمد۔ وہاڑی

نوبخت

بغداد کے خلیفہ ابوجعفر منصور کو خوب صورت عمارات کی تعمیر سے خصوصی لگاؤ تھا۔ وہ بغداد کو از سرِ نو تعمیر کرانے کا خواہش مند تھا۔ اس سلسلے میں اس نے ملک کے قابل ترین انجینئروں اور ماہرِ تعمیرات کو جمع کیا اور شہر کے بیچ میں دربارِ شاہی کی مرکزی عمارت اور اس کے اوپر بلند گنبد کی تعمیر کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کی خواہش تھی کہ گنبد کی چھت پر دھات کا بنا ہوا ایک شہ سوار اور مجسمہ نصب کیا جائے، نیز شاہی عمارت کے چاروں طرف ایک گل دستے کی مانند سرکاری عمارات اور دوسرے محلات تعمیر کیے جائیں اور انھی کے ساتھ بغداد جیسے علمی و ادبی شہر کے شایانِ شان ایک عظیم الشان لائبریری تعمیر کی جائے۔

ماہرِ تعمیرات کے اس اجلاس میں ایک نوجوان انجینئر بھی شامل تھا، اس کا نام نوبخت تھا۔ یہ ہیئت کے علاوہ مساحت کا بھی بہت ماہر تھا۔ مساحت دراصل سائنس کی ایک شاخ ہے۔ اس شاخ میں ایسی زمین کی چھان بین کی جاتی ہے جس پر کوئی عمارت تعمیر کرنا ہوتی ہے۔ نوبخت نسلاً ایرانی تھا۔ اس کی پیدائش آٹھویں صدی کے ابتدائی برسوں میں ہوئی۔ خلیفہ نے نوبخت کی قابلیت کا اندازہ لگاتے ہوئے شہر بغداد کی مساحت کا کام اسے سونپ دیا۔

نوبخت کے ساتھ اس کام میں اس کا نائب بھی شامل تھا۔ اس کا نام ماشاءاللہ تھا۔ نوبخت ایک ذہین اور باصلاحیت نوجوان تھا۔ اس کی تعلیم بغداد کے عام مدرسوں میں ہوئی تھی۔ نوبخت کو مطالعے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ چنانچہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوبخت نے علمِ ہیئت اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کی۔ عمارت سازی کے شوق نے انھیں ایک باکمال سول انجینئر بنا دیا۔ انھیں شہری منصوبہ بندی میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ اس لیے انھوں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے بغداد کی تعمیرِ نو میں اعلیٰ تعمیراتی ذوق کا مظاہرہ کیا اور اسے خلیفہ کی مرضی کے مطابق ایک عالی شان شہر میں تبدیل کر دیا۔

یہ نوبخت کی ٹاؤن پلاننگ کا ہی کرشمہ تھا کہ بغداد الف لیلیٰ کی کہانیوں کا مرکزی شہر بن گیا۔ اس نے اس علاقے کی مساحت کی اور ایک نئے شہر کا نقشہ ترتیب دیا۔ اس کے مطابق بغداد کی تعمیر عمل میں آئی۔ تعمیر کے بعد کئی صدیوں تک بغداد کو، عروس البلاد کی حیثیت حاصل رہی اور مشرق و مغرب سے جو بھی سیاح یہاں آئے، وہ خلیفہ کے اسی عظیم دارالسلطنت کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔

اس بات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شہر کی مساحت کرنے اور اس کا جدید نقشہ مرتب کرنے میں نوبخت اور اس کے نائب ماشاءاللہ نے کس قدر ہنر مندی سے کام لیا ہوگا اور یہ کہ انھیں اپنے اس پیشے پر کس قدر فنی مہارت حاصل تھی۔ خلیفہ منصور نوبخت کی اس کارگزاری پر بہت خوش ہوا اور اسے بھرپور خراجِ تحسین سے نوازا۔ مساحت کے علاوہ نوبخت ہیئت میں بھی مکمل مہارت رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے فلکیات پر ایک کتاب لکھی۔ اس کا نام ”کتابِ احکام“ ہے۔ ہیئت پر یہ ایک معیاری تصنیف تھی۔ اس عظیم مسلمان ماہرِ تعمیرات کا انتقال ٧٧٦ء میں ہوا۔

☆☆☆

شعروں کی دنیا

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

علامہ اقبالؒ

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

مولانا ظفر علی خانؒ

میرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اسی رہ پہ چلانا مجھ کو

علامہ اقبالؒ

تھا عجب تضاد سے انسان کا خمیر
عادی فنا کا تھا تو پجاری بقا کا تھا

احمد ندیمؔ قاسمی

پڑھتا ہے درود آپ ہی تجھ پر تیرا خالق
تصویر پہ خود اپنی مصور بھی فدا ہے

سلیمانؔ ندوی

ہوا نے توڑ دیا ہے بھرم بلندی کا
کمر جھکی ہے درختوں کی میں نے دیکھا ہے

ارتضیٰ نشاطؔ

زخم لگنے پہ مسکرا دینا
یہ بھی اک طرزِ زندگانی ہے

نعیمؔ صدیقی

تعریف کو بھی لوگ خوشامد کہیں تو پھر
خود اپنی شان میں ہی قصیدے پڑھا کرو

انور مسعودؔ

طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگرؔ
ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو

جگرؔ مرادآبادی

عمر دراز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

بہادر شاہ ظفرؔ

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جا سکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرِ تعاون: اندرونِ ملک 2000 روپے بیرونِ ملک ایک میگزین 25000 روپے دو میگزین 28000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

لبنان اور مصر

سروہاراامباکر

زیادہ تر ممالک اپنے جھنڈوں میں مذہبی علامات کا نمایاں استعمال نہیں کرتے۔ اس کی ایک وجہ یہ کہ ملک میں اگر مختلف مذاہب کی آبادی ہے تو اس ایک جھنڈے تلے قوم کو متحد کرنا ممکن نہیں رہتا، اور یہ مسئلہ لبنان جیسے ملک کے لیے بڑا ہے۔

لبنان میں قومیتیوں اور مذاہب کا جمگھٹا ہے۔ کئی اسلامی مکاتب فکر، کے ساتھ ساتھ یہاں دروز، علوی، کیتھولک، میرونائٹ اور دوسرے مذاہب ہیں، جن سے مل کر یہاں پر پینتالیس لاکھ کی آبادی بنی ہے اور اس وجہ سے جھنڈے میں بہت کچھ ہے۔

کئی لبنانی خود کو عرب نہیں، بلکہ فونیشیائی کہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب یہ ملک 1943 میں قائم ہوا تو اس نے عرب جھنڈے کا انتخاب نہیں کیا۔ نئی ریاست نے اپنے لیے دیودار کے درخت کا انتخاب کیا۔ اس کا تعلق اس علاقے سے تین ہزار سال قبل سے ہے۔

☆☆

عراق اور مصر کے جھنڈے واضح طور پر اسلامی اور عرب شناخت کی نمائش کرتے ہیں۔ دونوں عرب بغاوت کے سرخ، سبز، سیاہ اور سفید جھنڈے کی بنیاد پر ہیں۔ مصر نے 1952 کے انقلاب کے بعد "عرب آزادی کا جھنڈا" بنایا۔ اس وقت متحد عرب کا خواب زندہ تھا۔ مصر اور سیریا نے 1958 میں اتحاد کر لیا۔ یہ مختصر مدت تک رہنے والی جمہوریہ المتحدہ العربیہ (United Arab Republic) تھی۔ اس ریاست کے لیے رنگ یہی استعمال کئے گئے۔ اس میں دو سبز ستاروں کا اضافہ کر دیا گیا جو کہ دو ممالک کی علامت تھی۔ تاہم، یہ ملک ایک سال بعد ہی تحلیل ہو گیا۔

مصر نے 1972 میں دوبارہ کوشش کی۔ اس مرتبہ لیبیا اور سیریا سے مل کر فیڈریشن بنانا تھی۔ اس نئی تجویز کردہ ریاست کے جھنڈے میں ستاروں کی جگہ عقاب رکھا گیا لیکن یہ تجربہ بھی کامیاب نہ رہا۔ 1984 میں مصر واپس اس جھنڈے کی طرف آ گیا جو کہ اس کا آج ہے۔ اس کی سفید پٹی پر سلطان صلاح الدین ایوبی کا عقاب بنا ہے۔

جناب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ تعالیٰ اسلامی تاریخ کے عظیم جنگجو تھے جنھوں نے قاہرہ تک کا علاقہ فتح کیا تھا اور یہاں پر 1176 میں قلعہ بنوایا تھا۔ یہ عقاب اس کی مغربی دیوار پر بنوایا گیا تھا۔ یہ مشرقِ وسطیٰ میں سرکاری دستاویزات، جھنڈوں اور دیگر مقامات پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ فلسطینی اتھارٹی کا نشان بھی ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی میں بہت دلچسپ چیزیں رہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عربوں کے عظیم ترین جنگی ہیرو عرب نہیں تھے بلکہ کرد تھے۔ لیکن انھیں کردوں کے مقابلے میں عرب کلچر میں بہت تعظیم ملی ہے۔ کرد جھنڈوں میں ہمیں سلطان صلاح الدین کا عقاب نظر نہیں آتا۔ ایران، عراق، ترک اور سیریا کے کردوں کے جھنڈوں میں یہ غائب ہے۔

حسنی مبارک کی حکومت الٹانے کی 2011 کی بغاوت میں مصری جھنڈا ہر کوئی استعمال کر رہا تھا۔ مصر میں ہونے والے مظاہروں اور بغاوتوں میں یہ لہراتا رہا ہے۔ مصر اب واپس اس حال میں آ چکا ہے جس میں بہت طویل عرصہ رہا ہے، یعنی کہ فوجی آمریت کی صورت میں۔ تاہم، کسی بھی گروہ کو اب مصری جھنڈے اور شناخت پر اختلاف نہیں ہے۔

☆☆☆

اٹلانٹس پبلکیشنز | محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز کے ناول

ویب سائٹ سے آرڈر کا طریقہ : www.atlantispublications.com.pk سے گھر بیٹھے ناول منگوائیں

اشتیاق احمد کے ناول اور دیگر کتابیں آرڈر کرنے کے لئے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے اوپر BOOK SHELF پر کلک کریں اور پھر اپنی پسند کی کیٹگری پر کلک کریں، اپنی مطلوبہ کتاب کے ٹائٹل کے ساتھ ADD TO CART کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، آپ اوپر دائیں کونے پر باسکٹ کے نشان پر اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لئے اس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈلیوری چارجز دیکھ کر CHECKOUT کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے NEXT پر کلک کریں۔ ادائیگی کے طریقوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے PLACE ORDER پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل تین سے سات روز میں ڈلیور ہو جائے گا۔ واٹس ایپ میسج 0348-2568546 | فون 0331-4853445, 0300-2472238

آپ اپنے پسندیدہ ناول facebook.com/InspectorJamshed اور facebook.com/atlantispublications سے بھی آرڈر کر سکتے ہیں۔

ناولوں کے پہلے ایڈیشنز کے نئے پرنٹ، اوریجنل سرورق، اشتہارات اور بچوں کے خطوط کے ساتھ

آدھی دعا

ڈاکٹر عمران مشتاق۔ یوکے

گھر میں سبھی لوگ پریشان تھے۔ ایک عجیب سی اداسی نے سب کو گھیر رکھا تھا۔ دادا جان اچانک ہی شدید بیمار ہو گئے تھے اور بیماری بھی ایسی کہ جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ یوں تو سبھی اس بیماری سے بہت پریشان تھے، لیکن ننھے عادل کی تو بہت ہی بری حالت تھی۔ اسے دادا جان سے پیار بھی بہت تھا اور دادا بھی اپنے تمام پوتے، پوتیوں، نواسے اور نواسیوں سے زیادہ اسے عزیز رکھتے تھے۔ وہ اسے ننھا فرشتہ کہا کرتے تھے۔ وہ تھا بھی فرشتوں جیسا معصوم۔ اسے دس برس کی عمر سے ہی دین سے خاصا لگاؤ پیدا ہو چکا تھا۔ ہر وقت مسکراتے رہنا اور پریشانی میں بھی اللہ کا شکر ادا کرنا، اس کی عادت تھی۔ اس نے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، گھر میں آنے جانے کی دعائیں یاد کر رکھی تھیں۔ خود بھی پڑھتا رہتا اور دوسروں کو بھی تلقین کرتا۔ قرآنی اور مسنون دعاؤں سے لگاؤ، اسے دادا جان کی وجہ سے ہی پیدا ہوا تھا، وہ اسے نئی نئی دعائیں سکھاتے رہتے تھے۔

زندگی ہنسی خوشی گزر رہی تھی کہ دادا جان کو اچانک ہی فالج ہو گیا۔ ان کا پورا بدن مفلوج ہو گیا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ فالج کا اثر ان کی زبان پر بالکل بھی نہ ہوا تھا۔ وہ بول سکتے تھے، بس اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے پہ قادر نہ تھے۔ شروع میں تو وہ شہر کے ایک بڑے اسپتال میں رہے، پھر ڈاکٹروں کے مشورے سے انھیں گھر منتقل کر دیا گیا۔

گھر میں ان کی دن رات دیکھ بھال کے لیے ایک نرس بوائے کا انتظام کیا گیا اور ساتھ ہی ڈاکٹر بھی گاہے بگاہے ان کے چیک اپ کے لیے آتے رہتے تھے۔ اُن کے جسم کی مالش روزانہ ہوتی تھی، لیکن کوئی عضو اب تک حرکت کرنے کے قابل نہیں ہوا۔ اب تو انھیں گھر آئے ہوئے بھی چار مہینے ہونے والے تھے۔

عادل تو گویا ان کے بستر سے جڑ کے ہی بیٹھ گیا تھا۔ اسکول جانے کے علاوہ اس کا زیادہ وقت ان کے پاس ہی گزرتا۔ وہ انھیں اپنی معصوم باتوں اور شرارتوں سے خوش کرتا۔ انھیں اخبار پڑھ کر سناتا۔ تیمم کرنے میں مدد کرتا کہ دادا نماز پڑھ سکیں۔ وہ لیٹے لیٹے ہی نماز پڑھ لیتے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، گھر والوں کی مایوسی بڑھتی جا رہی تھی۔ اب تو دادا جان خود بھی کچھ زیادہ پر امید نہیں رہے تھے۔

’’دادا جان! آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔‘‘ اس دن بھی جب عادل نے انھیں مایوسی کی باتیں کرتے دیکھا تو پُر زور طریقے سے انھیں یقین دلانا چاہا۔

’’نہیں بیٹے! اب مشکل ہے۔‘‘

’’دادا جان! آپ ہی تو کہتے تھے کہ ہمیشہ پر امید رہنا چاہیے۔‘‘

’’وہ...... وہ تو ٹھیک ہے، مگر میری حالت...... اب تو......‘‘

کبھی کبھی ان کی زبان بھی لڑکھڑانے لگتی تھی۔

’’آپ صحت مند ہو جائیں گے، مجھے یقین ہے۔‘‘

’’تم واقعی ننھے فرشتے ہو، امید کے جگنو، میری ایک بات مانو گے؟‘‘

’’جی، کہیے۔‘‘

پھر دادا جان نے ایک عجیب سی خواہش کا اظہار کیا۔ عادل کو تو عجیب ہی لگا۔ دادا جان کے پُر زور اصرار پر اس نے ان کی بات ماننے کا وعدہ کر لیا، مگر اس کا ننھا سا دل کانپ رہا تھا۔

اس نے یہ تو سن رکھا تھا کہ لوگ عمر پوری کر کے اللہ میاں کے پاس چلے جاتے ہیں، مگر اسے موت کے بارے میں زیادہ پتا نہیں تھا اور نہ اس نے کسی کو مرتے دیکھا تھا۔

کل رات سے دادا جان کو جو تیز بخار چڑھا تو اترنے کا نام ہی نہیں لیا۔ ڈاکٹروں کے ساتھ ساتھ گھر کے سبھی افراد ان کے کمرے میں جمع تھے۔ امی بڑی مشکل سے عادل کو اس کے کمرے میں لے گئیں، وہ جانا نہیں چاہتا تھا، مگر دادا جان کی نازک حالت کی وجہ سے اسے وہاں سے ہٹا دیا گیا، جیسے ہی اسے موقع ملتا، وہ چپکے سے دادا جان کے کمرے میں جھانکنے کے لیے پہنچ جاتا۔ اسے ایک پل قرار نہ تھا۔

عادل کے ابو حسن صاحب کی اچانک ہی آنکھ کھل گئی۔ وہ کافی دیر سے سوئے تھے، کچھ دیر تک وہ اندازہ لگاتے رہے کہ آنکھ کیوں کھلی، پھر انھیں ایک آواز آئی تو وہ بستر سے اتر کر کمرے سے باہر آ گئے۔ عادل کے کمرے سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ عادل کے کمرے کا رخ کرنے کے بجائے، وہ پہلے دادا جان کے کمرے کی طرف ہو لیے۔ جیسے ہی انھوں نے کمرے میں جھانکا تو انھیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ جب سونے کے لیے گئے تھے تو دادا جان کا بخار پہلے سے بہتر تھا۔ نرس نے انھیں نیند کی دوا دے کر سلا دیا تھا اور وہ خود دادا جان کے زور دینے پر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے اور اب دادا جان کے سرہانے رکھا لیمپ روشن تھا۔ نرس بوائے پاس ہی ایک کرسی پر سو رہا تھا، اور کمرے کے کونے میں عادل جائے نماز بچھائے سجدے میں گرا ہوا تھا۔

''اللہ میاں جی! دادا جان کو صحت دے دیں۔ وہ ہمیں بہت پیارے ہیں۔ وہ بس ٹھیک ہو جائیں، ورنہ میں رو دوں گا۔''

ہلکی ہلکی سسکیاں سی گونجیں۔

''دادا جان کہتے ہیں کہ آپ نے ہر بیماری کا علاج رکھا ہے تو پھر میرے دادا جان ٹھیک کیوں نہیں ہوتے؟ وہ تو بہت ہی نیک اور اچھے ہیں، پلیز اللہ میاں جی! انھیں ٹھیک کر دیں۔ دادا جان نے مجھے دعا کرنے کے لیے کہا تھا، مگر میں صرف آدھی دعا ہی کر رہا ہوں، کیوں کہ پوری دعا مانگ کے، میں انھیں کھونا نہیں چاہتا۔ مجھے معاف کر دیجیے، میں پوری دعا نہیں مانگ سکتا، مجبور ہوں آپ انھیں صحت دے دیں۔''

عادل کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ احسن صاحب اسے دیکھ کر حیران تو تھے ہی، لیکن اصل حیرت تو انھیں اس بات سے ہوئی تھی کہ دادا جان والہانہ انداز سے عادل کی جانب دیکھ رہے تھے اور دائیں پہلو کے بل دراز تھے اور اُن کے جسم میں حرکت ہو رہی تھی۔

''ابو جان! آپ ٹھیک ہیں۔''

وہ اپنی حیرت پہ قابو پاتے ہوئے دادا جان کی طرف بڑھے۔

''ہاں، میں بہتر ہو رہا ہوں۔ شاید اللہ نے اس ننھے فرشتے کی دعا سن لی ہے۔''

دادا جان نے پہلو کے بل اٹھنے کی کوشش کی تو احسن صاحب خوشی اور حیرت سے انھیں دیکھنے لگے۔ دادا جان اپنے ہاتھ اور پاؤں ہلا رہے تھے گو کہ ابھی کافی لرزش تھی، مگر کرشمہ رونما ہو رہا تھا۔

احسن صاحب نے انھیں سہارا دے کر بٹھا دیا۔ عادل بھی جو دادا جان کے بستر کے پاس چلا آیا تھا، وہ خوشی سے چلا اٹھا:

''دادا جان ٹھیک ہو گئے۔ اللہ میاں نے انھیں صحت دے دی۔''

احسن صاحب نے اسے محبت سے بانہوں میں بھر لیا، پھر دادا جان نے بھی اپنے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے اسے گلے لگا لیا، اس سارے ہنگامے میں اٹینڈنٹ بھی جاگ گیا تھا۔

اور پھر دادا جان ایک ہفتے میں بالکل بھلے چنگے ہو گئے۔ احسان صاحب نے گھر والوں کو بتایا کہ اس رات دادا جان کی اچانک آنکھ کھلی تو ان کا بخار اتر چکا تھا اور وہ اپنے بازو کو بھی حرکت دے سکتے تھے، پھر انھوں نے دیکھا کہ عادل ان کے بستر کے پاس ہی جائے نماز بچھائے نماز پڑھ رہا ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہا ہے۔

احسن صاحب نے جب عادل سے آدھی دعا کے بارے میں پوچھا تو وہ شرما گیا۔ سب کے اصرار پر کہنے لگا:

''دادا جان نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ان کے لیے اللہ جی سے دعا کروں کہ وہ انھیں اپنے پاس بلا لے تاکہ ان کی یہ معذوری اور محتاجی ختم ہو جائے۔ میں نے صرف آدھی دعا ہی مانگی کہ اللہ میاں جی دادا جان کی محتاجی اور معذوری ختم ہو جائے اور انھیں مکمل صحت مل جائے۔ میں یہ دعا کیسے مانگتا کہ دادا جان چلے جائیں، ابھی ہمیں ان کی بڑی ضرورت ہے۔''

''احسن میاں! تم خوش قسمت ہو کہ تمھارے گھر میں ایسے سعادت مند بچے نے جنم لیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر بڑا فضل و کرم ہے۔''

دادا جان عادل کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے تو خوشی کے دو آنسو احسن صاحب کی آنکھوں سے پھسل کر رخساروں پر آ گئے۔

☆☆☆

مسکراہٹ کے پھول

انتخاب: حسان انصاری۔ لودھراں

کھانا:

ایک بوڑھا کھانا کھا رہا تھا اور بڑھیا پنکھا جھل رہی تھی۔ جب بوڑھا کھانا کھا چکا تو بڑھیا کھانے لگی، یہ دیکھ کر قریب کھڑا ایک شخص بولا:

''آپ دونوں نے اکٹھے کھانا کیوں نہیں کھایا؟''

بوڑھا بولا: ''دراصل ہمارے پاس دانتوں کا ایک ہی سیٹ ہے۔''

اسلام:

ایک آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ حج کے لیے جا رہا تھا۔ اس کے بیٹے کا نام اسلام تھا۔ اسی آدمی نے اپنے بیٹے کو کسی کام سے بھیجا تھا۔ ایک گھنٹہ ہو گیا، وہ نہ آیا۔ جب جہاز جانے لگا تو اس آدمی نے آواز لگائی: ''اسلام''

بندرگاہ پر کھڑے لوگ جذبات میں آ گئے اور سب نے ایک ساتھ کہا: ''زندہ باد''

لڑائی:

استانی (شاگرد سے) ''امجد تم کل اسکول کیوں نہیں آئے؟''

امجد: ''استانی جی، کل گھر میں امی اور ابو میں لڑائی ہو رہی تھی۔''

استانی: ''اور تم کیا کر رہے تھے؟''

امجد: ''میں دونوں کو برتن پکڑا رہا تھا۔''

میٹھا پانی

''میرا بہت دل کر رہا ہے۔'' عمار نے کھانا کھاتے کھاتے چونک کر حماد کی طرف دیکھا، جو روٹی کے لقمے آلو کے شوربے میں تربہ تر کرتے ہوئے منہ میں ڈال رہا تھا۔

''یہ......کیا کہہ رہے ہو؟ کس چیز کے لیے بہت دل کر رہا ہے؟''

عمار پانی کا گلاس رکھتے ہوئے بولا۔

''وہ......وہ بھیا بس کچھ نہیں۔'' حماد کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

''پھر بھی کوئی بات تو ہوگی۔'' عمار نے غور سے حماد کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ابھی ابھی اسکول سے گھر آئے تھے اور کھانا کھا رہے تھے۔

''بھیا وہ......یہ کہ......یہ کہ......'' حماد نے پھر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''یہ کیا یہ کہ......یہ کہ لگا رکھی ہے؟ کچھ تو بولو۔''

''وہ بھیا امی نہ سن لیں ورنہ......'' حماد پھر رکا۔

''ورنہ کیا؟''

''ورنہ امی ماریں گی۔'' حماد نے روٹی کا آخری لقمہ منہ میں ڈالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

عماد اور حماد دو بھائی تھے۔ وہ اپنے دادا دادی اور امی کے ساتھ ایک چھوٹے اور کچے مکان میں رہتے تھے۔ ان کے ابو فاروق حسن نے دوسری شادی کر لی تھے اور دور کسی شہر میں رہتے تھے۔ ان کے دادا کی تھوڑی سی زمین تھی۔ وہ اسی پر کھیتی باڑی کر کے اپنا اور اپنے پوتوں کا پیٹ پال رہے تھے۔ بہت مشکل میں وقت گزر رہا تھا، کبھی گھر میں کچھ ہوتا کبھی نہیں، کبھی سوکھی روٹی اور مرچ کی چٹنی مل جاتی۔ گھر میں کھیلنے کو کوئی کھلونا تک نہیں تھا۔ عمار اور حماد کا بھی دل کھیلنے کو چاہتا، مگر حالات کی خرابی خواہش کو حسرت میں بدل دیتی۔ ان کے لیے یہی کافی تھا کہ ان کی امی ان کے اسکول کا خرچا اٹھا رہی تھیں۔

''بھیا! آپ کو یاد ہے، میں نے کل آپ سے کیا کہا تھا؟''

دوسرے دن حماد نے پھر کہا۔

عمار نے چونک کر حماد کی طرف دیکھا۔ ''کیا کہا تھا؟''

''اتنی جلدی بھول گئے؟''

''اب بتاؤ ناں!''

''میں نے کہا تھا کہ میرا بہت دل کر رہا ہے۔''

''ہاں ہاں کہا تھا لیکن پتا تو چلے کیا دل کر رہا ہے؟''

''بھیا! امی کو نہ بتانا ورنہ امی ماریں گی......''

''میرے ننھے بھیا! تو آپ ایسا کام نہ کریں جس سے امی کو غصہ آئے۔''

''یہ امی کو غصہ دلانے والا کام تھوڑی ہے۔''

''پھر کیا ہے، اب بتا بھی دو۔''

''بھیا! میرا بہت دل کر رہا ہے، میٹھا پانی پینے کو۔'' حماد نے بڑی مشکل سے اپنا جملہ مکمل کیا۔

''کیا......م......میٹھا......پ......پانی!!''

عمار کے منہ سے نکلا۔ اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اُم محمد حنظلہ۔ بھکر

عمار کو وہ دن اچھی طرح یاد تھے جب امی سے چُھپ کر عمار اور حماد نے میٹھا پانی بنایا تھا اور بہت سی چینی ضائع کر دی تھی۔ تب امی نے اچھی خاصی پٹائی کی تھی اور دادی نے آ کر ان کو بچایا تھا۔ تین دن تک گھر میں چائے بھی نہیں بنی تھی کیوں کہ پیسے نہیں تھے اور ناشتے میں دہی بھی پھیکی ملی جو عمار اور حماد سے کھائی نہ جاتی۔ چوتھے دن دادا جی چینی لے کر آئے اور کچھ سکون آیا۔ دادی نے دونوں لڑکوں کو اپنے پاس بلایا اور سمجھایا تھا:

''بچو! چوری نہیں کرتے۔ تم مجھے کہتے میں تم دونوں کو بہت اچھا میٹھا پانی بنا کر دیتی۔ بیٹا! ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو چوری کرے اُس کے ہاتھ کاٹ دو۔'' دادی نے دونوں لڑکوں کو دیکھا جو ڈر سے کانپ رہے تھے۔

''دادی اب ہم کبھی چوری نہیں کریں گے۔''

''ماشاءاللہ!'' دادی نے دونوں پوتوں کو گود میں بھر لیا۔

☆☆

''بھیا! ہم میٹھا پانی چوری کی چینی سے نہیں بلکہ اپنی چینی سے بنائیں گے۔''

حماد نے خاموشی توڑی۔

''کہاں ہے آپ کی چینی؟'' عمار نے حماد کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔

''بھیا! کان میرے منہ کے قریب کرو۔''

عمار نے ایسا ہی کیا، اب جو بات حماد نے بتائی، عمار مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

عید کے دن عمار اور حماد کو جیسے ہی عیدی ملی، انھوں نے دکان کا رخ کیا اور دو کلو چینی خرید کر لے آئے۔ اب انھیں بڑے برتن کی ضرورت تھی جس میں وہ بہت زیادہ میٹھا پانی بنا کر پی سکتے۔ عمار نے بڑی بڑی بالٹیاں بڑے بڑے پتیلے لا کر دکھائے مگر حماد کا کہنا تھا:

''یہ سب چھوٹے ہیں، مجھے بہت زیادہ میٹھا پانی بنانا ہے۔''

کافی کوشش اور سوچ بچار کے بعد عمار کو ایک چیز سوجھی، اس نے حماد کو بتایا تو حماد بلے بلے کہے بغیر نہ رہ سکا۔

اس وقت دادا جی باہر گئے ہوئے تھے جبکہ امی دادی کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔ عمار اور حماد جانتے تھے کہ جب امی اور دادی باتوں میں لگ جائیں پھر بڑی مشکل سے یہ باتیں ختم ہوتی ہیں۔ اس لیے میٹھا پانی بنانے کا اس سے اچھا موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ دونوں چلتے چلتے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں بہت زیادہ میٹھا پانی بنایا جا سکتا تھا اور جو کبھی ختم بھی نہ ہوتا۔ وہ گھر میں لگے نلکے کے پاس آ گئے۔ عمار نے پہلے چینی کو تھوڑا تھوڑا کر کے نلکے میں ڈالا، پھر آہستہ آہستہ نلکے کو چلانا شروع کیا تاکہ چینی پانی میں مل جائے۔ پھر تھوڑی دیر بعد حماد سے کہا کہ چکھ کر بتاؤ، پانی میٹھا ہوا کہ نہیں۔ حماد نے پانی چکھا اور بولا: ''نہیں بھیا! زور زور سے چلاؤ۔'' اب عمار نے زور زور سے چلانا شروع کیا۔ دونوں باری باری پانی چکھ رہے تھے مگر پانی میٹھا نہ ہوا، عمار تھک جاتا تو حماد نلکا چلاتا، حماد تھکتا تو عمار، لیکن پانی تھا کہ میٹھا ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ انھوں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ پانی میٹھا ہونے میں کچھ دن لگیں، اس لیے انھوں نے انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اب وہ روزانہ اسکول جاتے وقت اور آ کر پانی چکھتے لیکن حالت جوں کی توں تھی۔ دونوں بڑے ہوتے گئے، ان کی شادیاں ہو گئیں، بچے ہو گئے، عمار کی بیٹی کی بھی شادی ہو گئی۔ ان کے حالات بھی کچھ بہتر ہو گئے، انھوں نے گھر کو بڑا کر لیا لیکن نلکا اپنی جگہ لگا رہا۔ عمار اور حماد کو اب بھی جب موقع ملتا ہے وہ نلکا چلا کر پانی چکھتے ہیں اور سوچتے ہیں پانی اب تک کیوں میٹھا نہیں ہوا؟

(نوٹ: یہ سچی کہانی ہے صرف نام بدل دیے گئے ہیں!)

چچا تیز گام نے پینٹ کیا!

احمد عالم میواتی

چچا تیز گام جیسے ہی چبوترے کی طرف بڑھے، چبوترے پر بیٹھے کئی مزدور تیر کی طرح اُن کی طرف لپکے اور چچا تیز گام کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

کچھ ہی دیر میں ان کے گرد اچھا خاصا رش لگ گیا۔

''اے بھائی رُکو! ذرا سانس تو لینے دو!''

چچا تیز گام اس اچانک افتاد پر گھبرا سے گئے۔

''میاں صاحب! آپ سانس بعد میں لیجیے گا، پہلے کام بتایئے کام، راج گیری، اینٹیں اُٹھانا، ریت اُٹھانا، ماربل لگوانا، غرض جو بھی کام آپ کروانا چاہیں، بندہ ہرفن مولا ہے۔''

ایک دبلا پتلا آدمی اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔

''لیکن ہمیں ہرفن مولا نہیں صرف ایک فن مولا چاہیے، اور وہ فن ہے پینٹ کرنا۔''

چچا تیز گام بولے۔ چچا کی یہ بات سُن کر بہت سے چہروں پر اُداسی چھا گئی۔ کچھ دیر پہلے جو مزدور شہد کی مکھیوں کی طرح چچا تیز گام کو چمٹ گئے تھے، وہ فوراً وہاں سے چلے گئے۔ اب وہاں صرف ایک ہی آدمی رہ گیا تھا۔

''جی صاحب! کیا پینٹ کروانا ہے؟''

وہ برش چچا تیز گام کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے ایسے بولا جیسے چچا تیز گام نے گھر نہیں، اپنا چہرہ پینٹ کروانا ہو۔

''صرف ایک کمرے میں پینٹ کروانا ہے، بتاؤ کتنے پیسے لوگے؟''

''ویسے تو میں ایک کمرے میں پینٹ کرنے کے دس ہزار روپے سے کم نہیں لیتا لیکن آپ سے صرف سات ہزار روپے لے لوں گا۔''

وہ گویا چچا تیز گام پر احسان جتلاتے ہوئے بولا۔

''کیا کہا! سات ہزار روپے؟''

چچا تیز گام اتنے روپوں کا سُن کر چلّا اٹھے۔

''سات ہزار روپے زیادہ تو نہیں ہیں۔''

''اماں جاؤ! تین ہزار تو تم نے ایسے کہا ہے جیسے روپے درختوں پر اُگتے ہیں، ہم تو صرف تین ہزار روپے دیں گے۔ کام کرنا ہے تو بتاؤ ورنہ اپنا راستہ ناپو۔'' چچا تیز گام نے چمک کے کہا۔

''ایک ہزار روپے! بڑے میاں کس زمانے کی بات کرتے ہو۔ وہ زمانہ گیا جب ایک روپے کی بکری اور تین چار روپے کی بھینس آجاتی تھی۔ میں تو سات ہزار روپے سے ایک پیسہ بھی کم نہ لوں گا، اگر کام کروانا ہے تو میں آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں، اور ہاں، یہ آپ نے کیا کہا میں اپنا راستہ ناپوں، بڑے میاں! راستہ تو آپ کو ناپنا پڑے گا کیوں کہ اِس وقت میرے علاوہ کوئی اور پینٹ کرنے والا یہاں موجود نہیں ہے۔''

وہ چچا تیز گام کو گھورتے ہوئے بولا۔

''لیکن ہم تو تین ہزار روپے سے ایک پیسہ بھی زیادہ نہیں دیں گے۔''

چچا تیز گام بھی اڑ گئے۔

''تو پھر آپ کو اپنے کمرے میں پینٹ خود ہی کرنا پڑے گا کیوں کہ اتنے کم روپوں میں کوئی کمرہ تو کیا ایک دیوار بھی پینٹ نہیں کرے گا۔''

وہ جل بھن کر بولا۔

''واہ بھئی واہ! کیا بات کہہ دی۔ واقعی پینٹ تو ہم خود بھی کر سکتے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم خود پینٹ کریں گے۔''

چچا تیز گام خود کلامی کرتے ہوئے بولے اور تیزی سے پینٹ کی دُکان کی طرف بڑھے۔

چچا تیز گام کے کمرے کا پینٹ جگہ جگہ سے اکھڑ گیا تھا۔ بیگم اُن سے کئی مرتبہ کہہ چکی تھیں کہ اپنے کمرے میں پینٹ کروا لیں لیکن وہ چچا تیز گام ہی کیا جو ایک بار کا کہا مان لیں۔ وہ اتوار کا دن تھا۔ بیگم بچوں کے ساتھ اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ چچا تیز گام کے دل میں نجانے کیا آئی کہ پینٹ کروانے کے لیے آدمی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے لیکن زیادہ پیسوں کا سُن کر انھوں نے خود ہی پینٹ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر چچا تیز گام پینٹ لے کر گھر آ گئے۔

''جمن! او جمن...... استاد!'' چچا تیز گام نے پکارا۔

''جی مالک! جی مالک!'' دونوں دوڑتے ہوئے آئے۔

''جی مالک کے بچے! جاؤ ہمارے کمرے سے سامان باہر نکالو۔ ہم اپنے کمرے کو پینٹ کریں گے۔'' چچا تیز گام بولے۔

''مالک! آپ پینٹ کریں گے؟'' جمن نے حیرت کا اظہار کیا۔

''کیا ہم پینٹ نہیں کر سکتے؟'' چچا تیز گام نے آنکھیں نکالیں۔

''نہیں مالک! آپ...... آپ تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔'' جمن گھبرا کر بولا۔

''خیر یہ بات بھی نہیں، جاؤ تم جا کر کمرے سے سامان نکالو! ہم پینٹ بناتے ہیں اور استاد تم باورچی خانے سے جا کر چھری اور مٹی کا تیل لاؤ!''

چچا تیز گام کی بات سُن کر دونوں وہاں سے چلے گئے۔

”مالک! چھُری تو مل گئی ہے لیکن مٹی کا تیل نہیں مل رہا۔“

کچھ دیر بعد استاد کی واپسی ہوئی۔

”تمھیں کوئی چیز کبھی ملی بھی ہے، تم پینٹ کے ڈبے کا ڈھکن کھولو! ہم مٹی کا تیل ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔“ چچا تیز گام غصے سے بولے۔

کافی تلاش کے بعد چچا تیز گام کو باورچی خانے میں مٹی کا تیل مل ہی گیا۔

”یہ لو، ڈھونڈ لیا ہم نے مٹی کا تیل۔“

چچا تیز گام مٹی کے تیل کی بوتل استاد کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے بولے۔

”مالک! یہ مٹی کا تیل ہے؟“ استاد حیرت سے بوتل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”اور نہیں تو کیا، چلو اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ اسے پینٹ میں ڈال کر خوب ہلاؤ۔“

استاد نے بے چارگی سے ایک نظر اُس بوتل کی طرف اور ایک نظر چچا تیز گام کی طرف دیکھا، پھر وہ بوتل کھول کر پینٹ میں ملانے لگا۔

”بس کرو! تم نکال چکے سامان، ہمیں پینٹ کرنے دو۔“

چچا تیز گام کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جمن سے بولے۔

ورجمن جس کا کمرے سے بھاری بھر کم سامان نکالتے نکالتے بھرکس نکل گیا تھام بولا:

”لیکن مالک وہ......“

”کیا لیکن؟ جاؤ سیڑھی لے کر آؤ!“

چچا تیز گام پینٹ کرنے کے لیے کچھ زیادہ ہی بے چین دکھائی دیتے تھے۔ کچھ دیر بعد جمن سیڑھی لے آیا۔ ایک ہاتھ میں پینٹ کی بالٹی اور دُوسرے ہاتھ میں پینٹ کرنے والا برش پکڑے چچا تیز گام سیڑھی پر چڑھنے لگے۔ ان کے دونوں ہاتھوں میں چیزیں تھیں اس لیے وہ سیڑھی کیسے پکڑتے۔ ابھی وہ دو تین سیڑھیاں ہی چڑھ پائے تھے کہ توازن برقرار نہ رکھ سکے اور پینٹ کی بالٹی سمیت زمین پر آ گرے۔ پینٹ چچا تیز گام کے چہرے اور کپڑوں پر گرا اور ان کے کپڑوں اور چہرے پر عجیب و غریب نقش و نگار بن گئے۔

”کم بختو! تم کوئی ایک چیز ہم سے پکڑ نہیں سکتے تھے، سارا پینٹ گرا دیا۔“

چچا تیز گام جمن اور استاد پر برس پڑے۔

”اب یوں ٹکر ٹکر ہمارا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ پینٹ کی بالٹی پکڑو اور جب ہم اُوپر پہنچ جائیں تو ہمیں بالٹی پکڑانا۔“

چچا تیز گام غصے سے بولے اور ایک بار پھر سیڑھی پر چڑھنے لگے۔

جمن نے ان کو پینٹ کی بالٹی پکڑا دی۔ چچا تیز گام نے برش بالٹی میں ڈبویا اور دیوار پر پینٹ کرنے لگے۔ جلدی میں انھوں نے اپنے چہرے سے پینٹ بھی صاف نہیں کیا تھا۔

”ارے یہ کیا! یہ پینٹ تو بہت گاڑھا ہے۔ یہ پتلا کس طرح ہوگا؟“

چچا تیز گام بولے۔

انھوں نے کئی مرتبہ برش کو دیوار پر پھیرا لیکن دیوار پر پینٹ لگ ہی نہیں رہا تھا۔

”اوہ! اب ہم سمجھے، یہ پینٹ دیوار پر کیوں نہیں لگ رہا۔ جمن! استاد! جاؤ جلدی سے ریگ مال لے کر آؤ اور دیوار کو اچھی طرح صاف کرو! پہلے پینٹ کے ہوتے ہوئے دُوسرا پینٹ بھلا کس طرح دیوار پر ٹھہر سکتا ہے۔“ چچا تیز گام بولے۔

جمن اور استاد چچا تیز گام کے سامنے مجبور تھے۔ کئی گھنٹے لگا کر دونوں نے کمرے کی دیواروں اور چھت سے پینٹ کھرچ کھرچ کر صاف کیا۔ چچا تیز گام اس دوران میں مسلسل ان کی نگرانی کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد چچا تیز گام دوبارہ پینٹ کرنے لگے مگر اس مرتبہ بھی پینٹ دیوار پر نہ لگا۔

ہزاروں کتابیں ایک کلک پر
ہم نے آباد کیا ہے آپ کے لیے
کتابوں کا ایک نیا جہاں

گھر بیٹھے معیاری اور بہترین کتابوں کی خریداری کے لیے ابھی ہماری ویب سائٹ "کتاب نگر" وزٹ کیجیے اور حاصل کریں بے شمار کتابیں وہ بھی حیرت انگیز ڈسکاؤنٹ پر۔

محمد فیصل شہزاد کی تمام کتابیں آدھی قیمت پر

حیرت انگیز آفر! 50% OFF

خوبصورت کتب پر مشتمل کتاب نگر میں خوش آمدید!

ہماری ویب سائٹ پر آرڈر کرنے کا طریقہ:

نوٹ: یہ آفر محدود مدت کے لیے ہے۔

محمد فیصل شہزاد کی تمام کتابیں آرڈر کرنے کے لیے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے دائیں طرف Categories پر کلک کریں اور پھر Faisal Shahzad Books پر کلک کریں، اپنی مطلوبہ کتابوں کے ٹائٹل کے نیچے "ADD TO CART" کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، دائیں جانب بنے باسکٹ کے نشان کے اوپر آپ اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لیے اُس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈیلیوری چارجز دیکھ کر "CHECKOUT" کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے "Place Order" پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل پانچ سے سات دن تک ڈیلیور ہو جائے گا۔ شکریہ

ویب سائٹ: www.kitaabnagar.com

''مالک! آپ نے اس میں مٹی کا تیل ملایا تھا؟''جمن نے پوچھا۔

''نہیں! مالک نے تیل نہیں بلکہ چینی کا شیرہ ملایا تھا۔''استاد بول اٹھا۔

''کیا!'' چچا تیز گام چلاّ اٹھے۔

''تو کیا وہ چینی کا شیرہ تھا؟ کم بخت! تم نے پہلے ہمیں کیوں نہیں بتایا؟''

''مالک! میں تو بتانے لگا تھا لیکن آپ نے سنا ہی نہیں۔''استاد بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''اب زیادہ باتیں نہ بناؤ جاؤ جا کر مٹی کا تیل لے کر آؤ۔''

چچا تیز گام جھنجلا کر بولے۔

استاد بھاگ کر بازار سے مٹی کا تیل لے آیا۔ مٹی کا تیل ملا کر چچا تیز گام پینٹ کرنے لگے تو پینٹ دیوار پر چپکنے لگا۔

''یہ ہوئی نا بات! اب آئے گا مزہ۔'' چچا تیز گام پینٹ کرتے ہوئے بولے۔

کافی پینٹ تو پہلے ہی گر چکا تھا اس لیے کچھ ہی دیر بعد پینٹ ختم ہو گیا اور چچا تیز گام ویسے بھی برش کو خوب ڈبو ڈبو کر پینٹ کر رہے تھے۔ برش سے بہت سا پینٹ ان کی شیروانی اور ٹوپی کو بھی لگ گیا تھا۔ چچا تیز گام استاد سے مزید پینٹ منگوانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ اسی وقت بیگم میکے سے آ گئیں۔

''یہ...... یہ کیا ہے؟'' کمرے اور چچا تیز گام کی حالت دیکھ کر بیگم چلاّئیں۔

کمرہ کباڑ خانے کا منظر پیش کر رہا تھا۔

''یہ پینٹ کیا ہے ہم نے۔ تم کئی دنوں سے پینٹ کروانے کا کہہ رہی تھی نا تو بس ہم نے خود ہی پینٹ کر دیا ہے۔'' چچا تیز گام فخر سے بولے۔

''لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ آپ خود ہی پینٹ کرنے لگ جائیں۔''

بیگم جل بھن کر بولیں۔

''پینٹ کرنے والا آدمی تو بہت زیادہ روپے مانگ رہا تھا۔ ہم نے سوچا خود ہی پینٹ کر لیتے ہیں، پینٹ ختم ہو گیا ہے، استاد جاؤ اور پینٹ......''

بیگم ان کی بات کاٹتے ہوئے بولی:

''بس بس بہت ہو گیا پینٹ۔ کل کسی رنگ ساز کو بلا کر پینٹ کروائیں گے۔ اور یہ...... یہ کیا ہے؟'' بیگم کچھ کہتے کہتے اچانک رُک گئیں اور دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

دیوار پر جہاں چچا تیز گام نے پینٹ کیا تھا وہاں بے شمار مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ چچا تیز گام کی ٹوپی اور شیروانی پر بھی بہت سی مکھیاں بیٹھی تھیں۔

''بیگم صاحبہ! مالک نے پینٹ میں شیرہ ملایا تھا۔ یہ سب اسی شیرے کی کارستانی ہے۔'' اُستاد بول اٹھا۔

''پینٹ میں شیرہ!'' بیگم نے حیرت سے کہا تو استاد فوراً تمام قصہ سنانے لگا، جبکہ چچا تیز گام مسمسی صورت بنائے دیوار پر بھنبھناتی مکھیوں کو تک رہے تھے۔

☆☆☆

یقین

علی اکمل تصور

وہ میرے آگے چلا جا رہا تھا۔ مجھے گرد آلود راستے پر اس کے قدموں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ بائیں جوتے کا تلوا نصف تھا، باقی پاؤں کا نشان انگلیوں کی مدد سے مکمل ہو رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے زور کی چھینک آئی تھی۔ منہ صاف کرنے کے لیے میں نے اپنی جیب سے رومال نکالا تو کسی نے مجھ سے کہا:

"یہ آپ کا ہے صاحب......؟"

میں چونک پڑا......! اس کے ہاتھ میں میرا پرس تھا جو رومال نکالتے وقت میری جیب سے گر پڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اس کا شکریہ ادا کرتا وہ چل پڑا۔

وہ ایک طالب علم تھا۔ میلے بوسیدہ کپڑے، کندھے پر بستہ...... ہاتھ میں تختی......!

میں اوپر بیان کردہ واقعے کے بعد اس کے پیچھے چل پڑا۔

اس گاؤں میں چالیس سال پہلے کا تعلیمی نظام ابھی تک رائج تھا۔ وہ تعلیمی نظام جس نے آج تک مجھے دھوکا نہیں دیا تھا۔

جب میں اس کے سکول پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ ٹاٹ پر بیٹھا قلم، دوات کی مدد سے تختی لکھ رہا تھا۔ میں اس کے پاس اکڑوں بیٹھ گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

"تم نے میرا پرس واپس کیوں کیا جب کہ تمھیں نئے جوتوں کی بھی ضرورت ہے؟"

میں اس سوال کا جواب لینے کے لیے اس کے پاس آیا تھا۔

وہ مسکرا کر بولا: "مجھے الف...... ب...... پ...... یقین ہے صاحب!

ہمّت کا پہاڑ ۴۴

راوی: سبحان انعام اللہ خان مرحوم　　تحریر: رشید احمد منیب

جب میں نے کیوکشن کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیا تو میری زندگی کی مصروفیات بہت بڑھ گئیں۔ اب گلی، محلے کی لڑائیوں کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس کے باوجود میں کوشش کرتا تھا کہ کہیں نہ کہیں ہاتھ پیر چلانے کا موقع ملتا رہے تاکہ اسٹریٹ فائٹ کا ہنر تازہ رہے۔ اسٹریٹ فائٹ ایک مستقل ہنر ہے۔ ضروری نہیں کہ جو رِنگ میں اچھا لڑسکتا ہو، وہ اسٹریٹ فائٹ میں بھی اچھا ہو البتہ کیوکشن چونکہ حقیقی فائٹ ہے اس لیے کیوکشن سیکھا ہوا بندہ اسٹریٹ فائٹ میں بھی اچھا ہوتا ہے۔

میری زندگی کا آغاز ہی ایک اسٹریٹ فائٹر کے طور پر ہوا تھا۔ میں فطری طور پر اسٹریٹ فائٹر ہوں۔ کیوکشن تو بعد میں میری زندگی کا حصہ بنا۔ کیوکشن کو اپنی زندگی دینے کے باجود اسٹریٹ فائٹ کا چسکا ختم نہیں ہوسکا۔ ایک مرتبہ میں اپنے والد صاحب کے اناج کے اسٹور پر کام کر رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی آیا اور مجھ سے الجھ پڑا۔ دیکھنے میں وہ بہت جان دار اور غصہ ور انسان لگ رہا تھا۔ میں نے اس کے حلیے اور چہرے سے اندازہ لگایا وہ کسی کھاتے پیتے گھرانے کا بندہ ہے اور عادی شراب نوش بھی ہے۔ پہلے تو مجھے محسوس ہوا کہ شاید اس وقت بھی وہ نشے کی حالت میں ہے لیکن وہ خود کو سنبھال کر بات کر رہا تھا، نشے میں معلوم نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اسے نرمی سے کہا کہ یہ بات کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔ کوئی شکایت ہے تو آرام سے بات کی جاسکتی ہے لیکن وہ شور مچا رہا تھا کہ تمھارے بندے نے سودا مہنگا دیا ہے، تم لوگوں کو لوٹ رہے ہو۔

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمارے ریٹ مناسب ہیں، اس کے باوجود کوئی شکایت ہے یا ملازم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو ہم اس کا ازالہ کر دیتے ہیں لیکن وہ نہ مانا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر میرا گریبان پکڑنے کی کوشش کی۔

اور مجھے تو خدا ایسا کوئی موقع دے۔ میں نے اسے دکان سے پیچھے دھکیلا اور اسے سینے پر چار، پانچ پنچ ٹکا دیے۔ میرا خیال تھا کہ وہ زمین بوس ہوجائے گا اور اس کے ہوش وحواس رخصت ہوجائیں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔

یہی چیز دیکھ کر میں رک گیا کہ یہ اپنے قدموں پر کیسے کھڑا ہے؟ میں نے جان بوجھ کر اسے لات سے ضرب نہیں لگائی تھی، کیوں کہ وہ مجھے باڈی بلڈر تو لگ رہا تھا لیکن فائٹر نہیں لگ رہا تھا۔ بہرحال اس کے لیے میرے پنچ بہت کافی تھے لیکن وہ کھڑے کھڑے جھوم رہا تھا زمین پر گرا نہیں تھا۔ اسی دوران میں وہاں لوگ جمع ہوگئے۔ اس بندے کا کوئی دوست یا رشتے دار بھی آگیا۔ وہ اسے کار میں بٹھا کر لے گئے۔ کسی نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ کافی تعلقات رکھتے ہیں، آپ کے لیے مسئلہ بن جائے گا۔ میں نے جواب دیا کہ میری بلا سے گورنر کو لے آئے مجھے کیا۔ مجھے تو دراصل یہ فکر کھا رہی تھی کہ وہ کم بخت چار، پانچ مکے ہضم کیسے کرگیا۔ رات تک مجھے خیال آتا رہا کہ میری توانائی کم ہوگئی ہے یا میں پنچ چلانا ہی بھول گیا ہوں؟ میرا اندازہ کیسے غلط ہوگیا؟

رات کے وقت مشقیں کرتے ہوئے بھی مجھے بار بار یہ خیال ستاتا رہا کہ انعام اللہ خان! اگر ایک عام بندہ تیرے چار مکے ہضم کرسکتا ہے تو تجھے تسلیم کرلینا چاہیے کہ تُو اپنی طاقت کھو چکا ہے۔ انسان کو اپنی طاقت کا درست اندازہ مشکل سے ہوتا ہے۔ طاقت کے آنے اور کھونے کا بروقت ادراک مشکل ہے، اس کا درست اندازہ مقابلے کے وقت ہی ہوسکتا ہے۔ جب تک سامنے کوئی تگڑا حریف نہ ہو، انسان کو اپنی پوشیدہ قوتوں کے درست استعمال کا موقع نہیں ملتا۔ میرے ساتھ تو اس بندے نے کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا تھا۔ بدتمیزی کی کوشش کی تھی۔ اس کا جواب میں نے کچھ زیادہ ہی دے دیا تھا لیکن وہ اپنے قدموں پر کیسے کھڑا رہا؟ مجھے یہی فکر لاحق تھی۔

اگلے دن فجر سے پہلے کی دوڑ، نماز اور ناشتہ کرنے کے کچھ دیر بعد جب میں اپنے کمرے میں سو رہا تھا مجھے بیگم نے بتایا کہ آپ کو اباجی بیٹھک میں بلا رہے ہیں۔

والد صاحب عام طور پر میرے معمولات میں کوئی دخل نہیں دیتے تھے۔ ان کے طلب کرنے کا یہی مطلب تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ہوگئی ہے۔

میں ہاتھ، منہ دھو کر بیٹھک میں گیا تو وہاں اباجی کے ساتھ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے ایک بندے کو سہارا دیا ہوا تھا جو کافی تکلیف کی حالت میں تھا۔ اسے دیکھتے ہی میں نے پہچان لیا کہ یہ تو وہی کل والا شخص ہے جس نے بدتمیزی کی تھی اور میرے پنچ کھانے کے باوجود کھڑا رہا تھا۔

اِس وقت اس کے چہرے پر کافی تکلیف کے آثار تھے اور اس سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ یوں لگتا کہ وہ زخمی ہو۔

یہ دیکھ کر کل سے میرے ذہن پر سوار فکر ہَوا ہونے لگی۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ کل والے مکوں ہی کا اثر ہے تو بالکل ٹھیک ہے۔ اس وقت اس بندے کو اسی حالت میں ہونا چاہیے لیکن سوال اپنی جگہ موجود تھا کہ یہ کل کیسے اپنے قدموں پر کھڑا کیسے رہا؟ اتنی دیر میں والد صاحب نے آنے والے لوگوں سے کہا کہ یہ میرا لڑکا آگیا ہے، آپ کے سامنے اس سے بات کرلیتے ہیں۔

ان لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ آئیے جناب! ہم آپ کے والد صاحب کی عزت اور شہرت کی وجہ سے آپ کے گھر آگئے ہیں ورنہ سیدھا تھانے ہی جاتے۔

میں نے پوچھا کہ بتایئے کہ کیا مسئلہ ہے؟

اس نے زخمی کی طرف اشارہ کرکے کہا، انھیں جانتے ہیں آپ؟

میں نے جواب دیا کہ جانتا تو نہیں ہوں لیکن کل ان سے میری بات ہوئی تھی، انھوں نے بدتمیزی کی تھی۔ جواب میں نے مجھے ان پر ہاتھ اٹھانا پڑ گیا تھا۔

یہ سن کر وہ غصے میں آگئے۔ کہنے لگے: ’’ہاتھ اٹھایا تھا یا اسے سریوں سے مارا تھا؟‘‘

میں نے پوچھا: ’’اسے ہوا کیا ہے؟ میں نے تو اسے تین، چار مکے ہی لگائے ہیں۔‘‘

یہ سن کر اُن صاحب نے زخمی کی شرٹ کھول دی اور کہا: ’’یہ مکوں کے نشان ہیں یا سریوں اور ڈنڈوں کے۔‘‘

میں نے اس زخمی کے سینے کی طرف دیکھا تو سینے کا گوشت جگہ جگہ سے سیاہ ہوچکا تھا۔ یعنی خون جما ہوا تھا۔ ایک، آدھ جگہ نیل دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے ساتھ موجود دیگر افراد بھی مجھے غصے سے گھور رہے تھے۔ میں نے اپنی خوشی دل میں چھپائی اور حیران ہوکر کہا، لیکن کل تو اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ سیدھا کھڑا رہا تھا۔

جاری ہے

انسپکٹر لومڑ کے جاسوسی کارنامے

دو ہزار سال پرانا مجسمہ

اس جاسوسی کہانی کے سُراغ رساں آپ ہیں۔

10 ”شکریہ انسپکٹر میرے دوست! تم آ گئے۔ یہ ہے وہ ہزاروں سال پرانا مجسمہ جو میں خرید رہا ہوں۔“
11 ”یہ بات تو تم جانتے ہی ہو کہ مجھے نایاب چیزیں بہت پسند ہیں۔ جیسے ہی مجھے اطلاع ملتی ہے کہ کہیں کوئی نادر چیز ہے تو میں خریدنے کے لیے دوڑا چلا آتا ہوں۔ یہ مجسمہ دو ہزار سال پرانا ہے۔“
12 ”ارے واہ! دو ہزار سال پرانا مجسمہ!!“
13 ”جی بالکل! اسے کسی مجسمہ ساز نے دو ہزار سال پہلے بنایا تھا۔“
14 ”یہ مجسمے کے نیچے ’ق‘ اور ’م‘ کیوں لکھا ہوا ہے؟“
15 ”یہ الفاظ اُس سن کو ظاہر کرتے ہیں جس میں اس مجسّمے کو بنایا گیا ہے، یعنی یہ قبل از مسیح بنایا گیا تھا۔“
16 ”یعنی آپ کا کہنا ہے کہ قاف سے مراد قبل اور میم سے مراد میلادِ مسیح... یعنی مسیح کی پیدائش سے بھی پہلے؟“
17 ”جی بالکل... اچھا جناب! میں مجسمہ آپ کو فروخت کر چکا ہوں، آپ جلدی سے قیمت ادا کیجیے! مجھے اور گاہک بھی نمٹانے ہیں۔“
18 ”شکریہ! مجھے جس کا قرض دینا ہے، وہ آتا ہی ہوگا۔ آپ یہ روپے مجھے عنایت کر دیجیے۔“

سراغ لگائیے! انعام پائیے

قارئین! کیا آپ بھی سمجھ گئے کہ وہ ثبوت کیا تھا جس کی وجہ سے انسپکٹر لومڑ نے پہچان لیا کہ مجسمہ جعلی ہے! کیا کہا نہیں؟ بھئی تصاویر کو بغور دیکھیے ..... کہانی دوبارہ پڑھیے، ثبوت بالکل سامنے نظر آئے گا، کیوں کہ بات بالکل سامنے کی ہے۔

درست سراغ لگانے پر بذریعہ قرعہ اندازی 3 قارئین کو 1، 1 ہزار روپے کی کتب انعام میں دی جائیں گی۔ جوابات اس نمبر پہ بذریعہ واٹس ایپ کیجیے:
0349-4892240

اختر حسین عزمی

میرحجاز

پیش گوئی کی صداقت

قیصر روم ہرقل کی افواج جنگ کے میدانوں میں پٹ چکی تھیں۔ اس کے خزانے خالی ہو چکے تھے۔ حالات نے اسے کسریٰ ایران خسرو پرویز جیسے بے رحم اور مغرور دشمن کے انتہائی توہین آمیز مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ باقی رومی سلطنت بچانے کے لیے ہرقل کو فلسطین، شام، مصر، آرمینیا اور ایشیائے کوچک کے اپنے تمام مقبوضات پر شہنشاہ ایران کی حکمرانی تسلیم کرنا پڑی تھی۔ اس صلح کے بدلے میں قیصر روم نے چھے ماہ کے اندر اندر کسریٰ ایران خسرو پرویز کو ایک ہزار ٹالنٹ سونا، ایک ہزار ٹالنٹ چاندی، اور ایک ہزار ریشمی قبائیں، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار رومی خواتین بطور خراج پیش کرنا تھیں۔

اہل روم جو چند برس قبل ہرقل کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اس کے راستے میں آنکھیں بچھاتے تھے، اس سے بددل اور مایوس ہو چکے تھے لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ روم کی ذلت و رسوائی کا آخری منظر دیکھنے کے بعد قدرت کی وہ اَن دیکھی اور انجانی قوتیں حرکت میں آ جائیں گی جن کے اشاروں پر جھلسے ہوئے صحرا بھی سبزہ زار بن جاتے ہیں۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۚ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾

’’الم، رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے چند سال کے اندر وہ غالب آ جائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ وہ دن ہوگا جب کہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر اہل ایمان بھی خوشیاں منا رہے ہوں گے‘‘۔

آٹھ نو برس قبل مکہ کی گلیوں میں پیغمبر اسلام کی جس پیش گوئی کا مذاق اڑایا گیا تھا، اس کے پورا ہونے کا وقت آ چکا تھا۔ ۶۱۵ء میں مشرکین مکہ کی ہمدردیاں ایران کی مشرک افواج کے ساتھ تھیں، وہ بہت خوش تھے اور مکہ میں مسلمانوں کو چڑا رہے تھے کہ جس طرح مسلمانوں کے مشابہہ رسالت وآخرت کے ماننے والے رومی عیسائیوں کو مار پڑ رہی ہے، اسی طرح نبوت کے دعویدار محمدؐ کے ساتھیوں کو بھی مار پڑے گی۔ ان آیات میں بیک وقت دو ایسی پیشین گوئیاں کر دی گئی تھیں جن کے پورا ہونے کے بظاہر دُور دُور تک امکان نظر نہ آتے تھے۔ ایک رومیوں کو چند (زیادہ سے زیادہ نو) سال کے اندر اندر غلبہ حاصل ہوگا اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو بھی اسی زمانے میں فتح حاصل ہوگی۔

اس وقت حالت یہ تھی کہ مٹھی بھر مسلمان مکہ میں مارے کھدیڑے جا رہے تھے اور ان کی ایک بڑی تعداد اپنی جان کی حفاظت کے لیے حبشہ کے مسیحی حکمران کی پناہ لے چکی تھی۔ دوسری طرف روم کی مغلوبیت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ ۶۱۳ء میں ایرانیوں نے دمشق فتح کیا اور ۶۱۴ء میں ایرانیوں نے عیسائی دنیا کے مذہبی مرکز بیت المقدس پر قبضہ کر کے نوے ہزار عیسائی قتل کیے۔ ان کے مقدس کلیسا کو برباد کر دیا۔ وہ صلیب جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اسی پر مسیحؑ نے جان دی تھی، مجوسی اسے اٹھا کر مدائن لے گئے۔ اس فتح کے بعد ایک سال کے اندر اندر ایرانی فوجیں، اُردن، فلسطین اور مصر پر قابض ہو چکی تھیں۔ ۶۱۷ء میں ایرانی افواج نے رومی دارالحکومت قسطنطنیہ کے عین سامنے خلقدون پر بھی قبضہ کر لیا۔ حتیٰ کہ قیصر روم نے اپنا دارالحکومت قسطنطنیہ سے قرطاجنہ منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

قرآن کی اس پیش گوئی پر کفار مکہ نے مسلمانوں کا خوب مذاق اڑایا۔ اُبی بن خلف نے ابوبکرؓ صدیق سے شرط بدی کہ اگر دس سال کے اندر اندر یہ پیش گوئی درست ثابت ہوگئی تو وہ ابوبکر کو سو اونٹ دے گا اور اگر ثابت نہ ہوئی تو ابوبکر اسے سو اُونٹ دیں گے۔ سات آٹھ سال تک قیصر روم ہرقل، کسریٰ ایران خسرو پرویز سے بار بار صلح کی بھیک مانگتا رہا لیکن کسریٰ ایران نے رعونت سے جواب دیا:

’’قیصر روم کو اس وقت تک امان نہ ملے گی جب تک وہ پا بہ زنجیر میرے سامنے حاضر نہیں ہوتا اور اپنے خدائے مصلوب (عیسیٰؑ) کو چھوڑ کر خداوند آتش کی بندگی نہ کرے‘‘۔

کسریٰ ایران صلح پر آمادہ ہوا بھی تو ایسی ذلت آمیز شرائط کے ساتھ کہ ہرقل کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ یا تو وہ اپنی بے بس رعایا کو ایرانیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر کہیں روپوش ہو جاتا یا وہ زندگی اور موت سے بے پرواہ ہو کر اپنے مغرور اور بے رحم دشمن کے خلاف سینہ سپر ہو جاتا۔ اور قیصر نے اسی دوسرے راستے کو اختیار کیا۔ قیصر کے لیے ایرانیوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑنا مجبوری بن گیا تھا۔ امن کی خاطر شاید وہ اپنی رعایا کے ہاتھوں سے سوکھی روٹیاں بھی چھین کر ایرانیوں کو پیش کر دیتا لیکن ایک ہزار باندیوں کا مطالبہ پورا کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

کسریٰ ایران جیسے طاقتور دشمن سے دوبارہ ٹکر لینے کے لیے اسے نئی افواج کی ضرورت تھی اور نئی افواج تیار کرنے کے لیے اسے وقت اور پیسہ درکار تھا۔ چنانچہ کسریٰ ایران نے اسے خراج جمع کرنے کے لیے جو مہلت دی تھی، اس نے اس کا ایک ایک لمحہ جنگی تیاریوں میں کھپا دیا۔ دولت کی کمی پوری کرنے کے لیے اس نے سلطنت کے خالی خزانوں کی بجائے ان گرجوں اور خانقاہوں کا رُخ کیا جہاں کلیسا کے بڑے بڑے پادری سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتے تھے۔ یہ لوگ اپنے خزانوں سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے لیکن قیصر نے انھیں اپنے جبر سے سمجھایا کہ سونے چاندی کے جو ذخائر انھوں نے اپنی خانقاہوں اور گرجوں میں چھپا رکھے ہیں وہ کسی دن ایرانیوں کے ہاتھوں لٹ جائیں گے۔ چنانچہ مسیحی کلیسا کے اسقف اعظم سرجیس (Sergius) نے مسیحت کو مجوسیت سے بچانے کے لیے گرجاؤں کے نذرانوں کی جمع شدہ دولت سود پر حکومت کو قرض دے دی۔

۶۲۲ء میں ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ ادھر قیصر روم ہرقل خاموشی کے ساتھ قسطنطنیہ سے بحر اسود کے راستے طرابزون کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہ ایران پر اس کی پشت کی طرف سے حملہ کر سکے، کیونکہ اپنی تمام تر تیاریوں کے باوجود ہرقل ایرانی لشکر پر براہ راست حملہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ہرقل نے اپنا حملہ ۶۲۳ء میں آرمینیا سے شروع کیا اور دوسرے سال ۶۲۴ء میں اس نے آذر بائیجان میں گھس کر مجوسی مذہب کے بانی زرتشت کے مقام پیدائش ارمیاہ کو تباہ و برباد کر دیا اور ایرانیوں کے سب سے بڑے اور قدیم آتش کدے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور یہ وہی سال اور وہی دن تھے جب مسلمانوں کو بدر کے مقام پر مشرکین مکہ کے مقابلے میں پہلی مرتبہ فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی۔

قرآن کی دونوں پیش گوئیاں دس سال کی مدت ختم ہونے سے پہلے پہلے بیک وقت پوری ہو گئیں۔ اب روم کی فوجیں ایرانیوں کو مسلسل دباتی جا رہی تھیں اور کسی کے لیے بھی اس امر میں شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی تھی کہ قرآن کی پیش گوئی بالکل برحق تھی۔ اُمیہ بن خلف جنگِ بدر میں قتل ہوا اور اس کا بھائی ابی بن خلف تاجدارِ مدینہ کا قیدی بنا۔ فدیہ دے کر وہ آزاد ہوا۔ اس نے ہار مان کر اپنے مقتول بھائی کی طرف سے شرط کے سو اُونٹ ابوبکرؓ کے حوالے کیے۔ ابوبکرؓ صدیق اُونٹوں کو لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

جاری ہے

پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ کی خدمات

برائے

پاکستان، غزہ فلسطین

شدید سردی سے ٹھٹھرتے مجبور لوگوں کی مدد کریں

آپ کے عطیات

غزہ، فلسطین

اور پاکستان کے شدید سرد علاقوں

جیسے چترال، گلگت، کشمیر، سوات، اور اسکردو کے ضرورت مند افراد تک پہنچائے جائیں گے۔

نوٹ:
پاکستان کے لیے ضروری سامان بھی عطیہ کیا جا سکتا ہے، جبکہ غزہ فلسطین کے لیے رقم جمع کی جائے گی

ضروری سامان کی تفصیل

سامان	برائے پاکستان	برائے غزہ
خیمہ / ترپال (برائے غزہ)	500 ڈالر	70 ڈالر
گیس ہیٹر	15000 روپے	150 ڈالر
گرم کپڑے (مرد، خواتین، بچے)	3000 روپے	50 ڈالر
گرم ٹوپی اور دستانے	1000 روپے	10 ڈالر
بستر اور لحاف/سلیپنگ بیگ	6000 روپے	35 ڈالر
کمبل	5000 روپے	25 ڈالر
گرم چادریں	2000 روپے	20 ڈالر
گرم جوتے	3000 روپے	25 ڈالر
جرابیں	300 روپے	5 ڈالر

اپنا حصہ ڈالیں اور کسی بے بس کی زندگی کو آسان بنائیں!

Bank : **FAYSAL BANK**	Account Title : **Pak Aid Welfare Trust**	A/C Number : **3048301900220720**
Swift Code : **FAYSPKKA**	IBAN Number : **PK28FAYS3048301900220720**	

www.pakaid.org.pk | info@pakaid.org.pk | +92300-050 9840 | follow us on pak aid welfare trust